۱۰

مسجد ضرار کے سائے میں

مسلمان جو گزشتہ کئی صدیوں سے مسلسل مدافعت کی جنگ لڑ رہے ہیں وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کی جدوجہد اتنی بے شمار قربانیوں کے باوجود آخر ثمر بار کیوں نہیں ہوتی ؟ اس میں شبہ نہیں کہ گزشتہ تین سو برسوں میں نوآبادیاتی اور استبدادی نظام کے خلاف مسلمانوں نے غیر معمولی قربانیاں دی ہیں اور آج بھی دنیا بھر میں سرمایہ دارانہ نظامِ جبر کے خلاف جو لوگ برسرپیکار ہیں ان کا تعلق اسی قومِ مسلم سے ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ صورتِ حال میں کوئی خوشگوار تبدیلی تو کیا آتی خود مسلمانوں کی تلواریں آپس میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ جہاد افغانستان کے خاتمے پر مجاہدین کے مختلف گروہ جس آپسی خانہ جنگی کا شکار ہو گئے اس نے اس خیال کو مزید مستحکم کر دیا کہ اہل قبلہ کا باہمی اتحاد خیال عبث ہے۔

جو لوگ سوویت یونین کو شکست دے سکتے تھے ان کے لئے اس گرہ کی عقدہ کشائی ممکن نہ ہو سکی کہ آخر کیا چیز ہے جو ان کے اندرون سے ان پر ضرب لگاتی ہے اور جس کے سبب ان کا اتحاد اپنی تمام تر امکانی کوششوں کے باوجود وجود میں آنے سے رہ جاتا ہے۔ اہل فکر مسلمانوں کو یہ سوال بھی پریشان کرتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اہل ایمان کے ایک گروہ کو جب اللہ تعالیٰ زمین میں اقتدار سے نوازتا ہے تو وہ اہل قبلہ کے دوسرے گروہوں پر خدا کی زمین تنگ کر دیتے ہیں؟ طالبان کے افغانستان میں اہل قبلہ کے دوسرے گروہوں کا ایمان اور ان کی مذہبی فکر جس طرح قابل استرداد قرار پائی یا موجودہ سعودی عرب میں سلفی اسلام کے علاوہ دین کی دوسری تعبیروں کو جس طرح لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا' ان باتوں نے عام مسلمانوں پر دین اور اس کے احیاء کے سلسلے میں یک

گونہ مایوسی طاری کردی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ خدانخواستہ مسلمانوں کو آج اگر دنیا کے کسی خطے میں اقتدارِ کُل سے نواز دے تو یہ سوال کلیدی اہمیت اختیار کرلے گا کہ دین کی کون سی تعبیر کے مطابق نئی ریاست کا انتظام وانصرام چلایا جائے۔

مسلم اہل فکر اس بات کا احساس تو ضرور دلاتے رہے ہیں کہ کہیں کوئی بڑی گڑبڑی ہمارے فکری سرمایے میں در آئی ہے جس کی وجہ سے آج ہم من حیث الامۃ' از سرنو اٹھ کھڑے ہونے کی پوزیشن میں خود کو نہیں پاتے۔ البتہ اس بڑی گڑبڑی یا فکری انحراف کے سدباب کی یا تو ہم اپنے اندر ہمت نہیں پاتے یا یہ سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی انقلابی قدم اٹھانا امت کے رہے سہے تنظیمی ڈھانچے کو بھی تباہ و برباد کردے گا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اصل مرض کے علاج سے اعراض پر ہم خود کو مسلسل مجبور پاتے ہیں۔ بھلا جب کسی مرض کا علاج ہی نہ کیا جائے اور اس سلسلے میں کوئی معمولی قدم اٹھانے سے بھی ہمیں خوف آئے تو مستقبل میں کسی خوشگوار تبدیلی کی بات کیسے سوچی جاسکتی ہے؟

قوموں کی کامیابی کے لئے باہمی اتحاد محض کوئی سرّ الہامی نہیں بلکہ دل و دماغ کو لگتی بات ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ ہمارے اہل فکر اور عامی مسلمان اس نکتہ سے واقف نہیں۔ قرآن مجید میں جہاں حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور انتشار سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے وہیں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ باہمی اختلاف اہل ایمان کے لئے سم قاتل ثابت ہوگا، ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ مسلمان جو خود کو حامل توحید کہتے ہیں وہ اس نکتہ سے بھی ناآشنا نہیں کہ توحید نظری طور پر انسانوں کو جوڑتا ہے جب کہ اس کے برعکس شرک انسانوں کو خانوں میں بانٹتا ہے۔ ایک ربانی معاشرے میں جو تقویٰ کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے، شعوب وقبائل کی شناختیں، تفرقے اور گروہ بندیوں کی نفسیات پر صبغۃ اللہ کا غلبہ اس بات سے عبارت ہے کہ مختلف شعوب وقبائل پر مشتمل یہ امت اب بنیان مرصوص میں تبدیل ہوچکی ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے ربانی معاشرے میں اگر اس کیفیت کا فقدان ہو اور انہیں بار بار یہ احساس ہوتا ہو کہ کوئی چیز ان کے اندرون سے ان کے اتحاد کو مسلسل تار تار کئے دے رہی ہے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ جس چیز کو حبل اللہ سمجھ بیٹھے ہیں وہ دراصل کچھ اور ہے۔

ہم مسلمان اگر ایک سخت ایمان دارانہ محاسبہ پر آمادہ ہوسکیں تو ہمیں شاید یہ سمجھنے میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے کہ اہل قبلہ کے مختلف گروہوں نے جس چیز کو وثوق واعتماد سے تھام رکھا ہے وہ دراصل حبل اللہ نہیں بلکہ حبل الرجال یا حبل الاحبار ہے۔ وہ دین جو یہودی نصرانی جیسی شناختوں کو لائق استرداد ٹھہراتا ہو اور جسے یہ بھی گوارا نہ ہو کہ متبعین محمدؐ خود کو محمدی کی حیثیت سے پیش کریں بھلا اس دین میں اس بات کے لئے کیسے گنجائش نکل سکتی ہے کہ متبعین محمدؐ خود کو حنفی شافعی، شیعہ سنی یا تحریکی اور جماعتی کہلانا گوارا کرلیں۔ ربانی معاشرے میں ان غیر ربانی شناختوں کا ظہور گویا اس بات سے عبارت ہے کہ قرآن مجید نے جس حبل اللہ کو سختی سے تھامے رہنے کی تلقین کی تھی وہ اب ہمارے ہاتھوں سے بدقسمتی سے پھسل گئی ہے۔

آج ہم جن چیزوں کو مذہب کا لازمہ سمجھ بیٹھے ہیں اور جن شناختوں کے بغیر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فریضۂ دین کا ادا کرنا شاید ممکن نہ ہو ذرا غور کیجئے اس کی تاریخی اور نظری حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ فقہی اور مسلکی شناختیں واقعی اس لائق ہیں کہ ہم نسلاً بعد نسل اس غیر ضروری بوجھ کو اپنے کمزور کندھوں پر اٹھائے پھریں۔ ابتدائی عہد میں جب مسلمانوں میں فرقوں اور مسلکوں کا ظہور نہ ہوا تھا پوری امت وحی ربانی کے نظری ماحول میں سانس لیتی تھی۔ بسا اوقات مختلف امور میں اہل فکر مسلمانوں کے مابین اختلاف بھی ہوتا لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر کوئی مستقل مدرسۂ فکر وجود میں نہیں آتا بلکہ امر ہم شوریٰ بینہم کے اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اہل ایمان کسی ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے۔ تیسری صدی کے وسط تک فقہی یا نظری اختلاف کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے کا کوئی رواج نہ تھا۔ شیعہ سنی کی روایت کی کتابیں بھی مشترکہ تھیں۔ یہی وجہ کہ صحاح ستہ میں آج بھی شیعہ مسلک کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

فقہی شناخت کے مسئلہ پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے۔ ابوحنیفہ جن کا سال وفات ۱۵۰ ہجری ہے اور ادریس شافعی جن کا انتقال ۲۰۴ ہجری میں ہوا اور جن کی بنیادوں پر ہم مسلکی شناخت کو روا رکھتے ہیں ان حضرات کے ظہور سے پہلے اہل ایمان کی جو نسل اس سرزمین پر موجود رہی آخر ان کی مذہبی زندگی کی مشین کیسے متحرک رہی۔ اگر رسول اللہ کے وصال کے سو سال بعد بھی مسلمان ائمہ فقہاء کے بغیر مذہبی زندگی کی تنظیم و ترتیب کر سکتے تھے تو پھر اکیسویں صدی کی ابتداء میں ہم بالکل اسی طرز کی ایمانی زندگی کیوں نہیں جی سکتے؟ بالخصوص جب ہمارا یہ ایمان ہو کہ اسلام ایک آسمانی دین کی حیثیت سے عہد رسول میں اپنے اتمام کو پہونچا اور یہ کہ عہد رسول کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ اہل فکر مسلمانوں کی تاریخ ہے اور یہ کہ نبی کے علاوہ کسی اور شخص کو یہ مقام حاصل نہیں کہ اس کی ذات ہمارے لئے ناگزیر حوالہ بن جائے۔

افسوس کہ فقہی بنیادوں پر جب ایک بار گروہ بندی کو اعتبار مل گیا تو یہ سلسلہ کسی طرح نہ روکا جا سکا۔ بظاہر چار ائمہ فقہاء کو canonize کئے دینے سے پانچویں یا چھٹے امام کے ظہور کا راستہ تو رک گیا لیکن عملاً مسلکی گروہ بندیوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ وہ امت جسے حبل اللہ تھامنے کی سخت تاکید کی گئی تھی وہ آج بھانت بھانت کے شیوخ و مصلحین کا دامن تھامے افتراق و انتشار کی بدترین تصویر پیش کر رہی ہے۔ اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ فرقہ وارانہ شناخت کے قیام اور ان کی تبلیغ کے لئے باقاعدہ مسجدیں اور مدارس وجود میں آ گئے ہیں جو شب و روز اپنے اپنے قلعوں سے اپنے مسلک اور اپنے شیوخ کی سربلندی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے ان تمام گروہوں کو اپنے بارے میں اس بات کی غلط فہمی بھی ہے کہ وہی فرقۂ ناجیہ ہیں اور یہ کہ ان کے علاوہ اہل ایمان کے دوسرے تمام گروہوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اگر دنیا بھر میں مساجد کی کثرت اور قال اللہ و قال الرسول کی درسگاہوں کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کا زوال روکے نہیں رکتا اور ان کا انتشار مسلسل بڑھتا جاتا ہے تو

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان مساجد و مدارس سے ربانی بننے کی دعوت دی ہی نہیں جارہی ہے۔ حبل اللہ کے بجائے ہمارے علماء و قائدین کھلے عام حبل الرجال تھام لینے کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ تمام ہی فرقوں اور جماعتوں کی دعوت کا لب لباب یہ ہے کہ ہمارے گروہ میں شامل ہوجاؤ کہ یہی نجات کا راستہ ہے اور یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعہ بقول ان فرقہ پروروں کے امت کی صفوں میں اتحاد پیدا ہوسکتا ہے۔ مساجد ہوں یا مدارس عملی طور پر اس پر کسی نہ کسی گروہ یا جماعت کا قبضہ ہے۔ بھلا جو مسجدیں مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے لئے بنائی گئیں ہوں اگر وہ مسجد ضرار جیسے نتائج پیدا نہ کریں تو اس بات پر ہمیں تعجب کرنا چاہئے۔

افسوس تو اس بات پر ہے کہ مسلم معاشرے میں مسجد ضرار کی اس عمومی فضا کا احساس بھی ہمیں کم ہی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کونوا ربانیین کی دعوت دینے والی امت اس راہ پر کیسے چل نکلی کہ اس کے درمیان الگ الگ شیعہ وسنی مسجدوں کا قیام عمل میں آ گیا اور پھر یہ سلسلہ بریلوی، دیوبندی، جماعتی اور سلفی مسجدوں کے قیام پر منتج ہوا۔ ایک خدا کی بندگی کی طرف بلانے والے لوگ فرقہ پرستی کے شرک میں کچھ اس طرح کیسے مبتلا ہوگئے کہ انہیں اس بات کا پتہ بھی نہ چلا کہ وہ اب صبغۃ اللہ کے بجائے جماعتی، سلفی، حنفی یا شافعی بننے کی دعوت دینے لگے ہیں اور یہ کہ ان کے اس عمل پر اب قرآن مجید کی یہ آیت بڑی حد تک صادق آنے لگی ہے ﴿والذین اتخذوا مسجدا ضرارا و کفرا و تفریقا بین المؤمنین﴾۔ جو مسجدیں مسلمانوں کو ضرر پہونچائیں، جہاں کے خطبے اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کردیں، بھلا ایسی تفریق پرور مسجدوں سے کسی خیر کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ فرقوں کے زیر اثر آج جو مختلف مسجدیں وجود میں آرہی ہیں ان کے داعی بظاہر تو یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ہماری نیت تو بھلائی کی ہے ﴿ان اردنا الا الحسنی﴾ لیکن اللہ تعالی کہتا ہے ﴿واللہ یشھد انھم لکاذبون﴾ کہ خدا گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

صورتِ حال اب اتنی خراب ہوگئی کہ دینی اداروں کے اشتہارات اب کھلے عام یہ مطالبہ کرنے لگے ہیں کہ درخواست دہندگان کے لئے لازم ہے کہ اس کا تعلق ان کے مسلک سے ہو۔ گزشتہ ماہ پاکستان سے شائع ہونے والے ایک مؤقر تحریکی رسالہ میں جدید تکنیکی تعلیم کے لئے نوجوانوں سے درخواستیں طلب کی گئی ہیں جہاں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ یہ سہولت تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کے بچوں کے لئے مخصوص ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ وہی امت ہے جس کی پہلی نسل، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، اس وسعت قلبی کی حامل تھی کہ وہ عالمی نظام انصاف کے قیام میں اہل کتاب کے صالحین کو بھی شرکت کی دعوت دیتی اور تمام انسانوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دروازے ان پر کھلے ہیں۔ مسجد ضرار کی فرقہ وارانہ فضا نے اب اہل فکر مسلمانوں اور دعوت دین کے حاملین کو بھی اس تنگ نظری میں مبتلا کردیا ہے کہ وہ اپنے فرقے سے باہر اہل قبلہ کے دوسرے گروہوں کے لئے کسی فلاحی منصوبے کی بات سوچنے سے عاجز ہیں۔

جب تفرقہ بندی کی جڑیں اتنی مضبوط اور گہری ہوں تو یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ مسلمان کسی مصنوعی طریقے سے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر سکتے ہیں۔ جب تک تفرقے کی ان بنیادوں پر تیشہ نہیں چلایا جاتا امت کا بنیان مرصوص میں تبدیل ہونا امر محال ہے۔ اول تو ان چار فقہاء کے لازمۂ دین ہونے کے لئے قرآن مجید سے کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ ثانیاً یہ خیال بھی لغو ہے کہ ائمہ فقہاءؒ یا وہ متکلمین جن کے فہم دین پر مختلف جماعتیں وجود میں آ گئی ہیں، کے بغیر ہماری مذہبی زندگی کی مشین متحرک نہیں رہ سکتی۔ جب دوسری صدی کی ابتدا تک مسلمان ائمہ فقہاء کے بغیر کہیں بہتر دینی زندگی جی سکتے تھے تو آج قرآن مجید اور اسوۂ رسول کی موجودگی میں یہی کام آخر کیوں نہیں انجام دیا جاسکتا؟ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ان انسانی حوالوں کو دین کا لازمہ قرار دیدیا جائے جن پر کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی اور جن کے ظہور پر یقیناً رسول اللہ نے ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس منتشر پراگندہ حال امت کو اگر بنیان مرصوص میں تبدیل کرنا مقصود ہے اور اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ امت کو تفرقہ بندی اور جماعت سازی جیسے شرک سے نجات ملے اور تفریق بین المؤمنین کے اس ضراری سلسلے پر یکسر روک لگادی جائے تو ہمیں خود کو ایک بڑے نظری آپریشن کے لئے آمادہ کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تمام تر کوششیں تو فرقوں کے استحکام کے لئے کی جارہی ہوں اور اس کے نتیجے میں ایک متحد امت یا ربانی معاشرے کا ظہور عمل میں آجائے۔